علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی

ترتیب و تعلیق: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حدیث کذبات ثلاثہ کی تحقیق

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

[یہ موضوع اگرچہ پرانا ہو چکا ہے، تاہم ایک نئی تحقیق اِس مضمون میں پیش کی جا رہی ہے، جس کی وجہ سے اس پر بحث کا جواز بنتا ہے۔ قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملت ابراہیم کا بانی قرار دیتا ہے (دعوت محمدی جس کی تجدید ہے) اور ایک اولوالعزم رسول و صدیق نبی۔ آپ کی اسی عظمت و جلالت قدر اور منصب نبوت کی عالمی مقامی کے پیش نظر کذبات ثلاثہ والی روایت کو ماضی و حال کے بہت سے جلیل القدر ائمہ اور علما نے بھی درایت کی روشنی میں مسترد کر دیا ہے۔ جن میں امام فخر الدین الرازی جیسے بڑے متکلم و عقلی مفسر بھی ہیں، جو فرماتے ہیں کہ ''انبیاے کرام علیہم السلام کی طرف کذب کی نسبت کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ راویوں کی طرف ہی کذب کی نسبت کر دی جائے۔''[۲]

۱۔ مریم ۱۹: ۴۱۔

۲۔ ملاحظہ ہو، امام رازی: ''فلان يضاف الكذب إلى رواته أولى من أن يضاف إلى الأنبياء عليهم السلام'' ص ۱۸۵ جلد ۲۲، تفسیر الفخر الرازی المشتہر بتفسیر الکبیر و مفاتیح الغیب، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولی ۱۹۸۱ء۔

اس روایت پر نقد کرنے والوں میں مولانا مودودی جیسے بڑے داعی و مصنف بھی شامل ہیں۔[۳]

تاہم روایتی علما بخاری کی اس روایت کے الفاظ میں وارد کذب کو توریہ و تعریض بتا کر توجیہ کرتے ہیں اور اس طرح بخاری کے راویوں کی ثقاہت کو بچانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، چاہے اس سے خود نبوت کے عظیم منصب اور ایک جلیل القدر نبی کی عظمت پر حرف ہی کیوں نہ آتا ہو!

حالاں کہ روایت میں جن پہلوؤں کو کذبات کہا گیا ہے، قرآن نے ان کا تذکرہ جس اسلوب میں کیا ہے، وہاں ان کو کذب بمعنی تعریض و توریہ کہہ کر بھی بات بنتی ہی نہیں ہے، تعریض و توریہ کو صریح کذب کوئی نہیں کہتا، جب کہ روایات میں صریحاً کذب کہا گیا ہے۔ صاحب ''تدبر قرآن'' مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ''یہ اصل واقعہ کی سیدھی سادی شکل ہے جو الفاظ قرآنی سے سامنے آتی ہے۔ لیکن مفسرین نے معلوم نہیں کس طرح اس کے تحت بعض ایسی روایتیں نقل کر دی ہیں کہ جن سے یہ بات نکلتی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم نے اس موقع پر غلط بیانی کی۔''[۴]

سوال یہ ہے کہ تعریض و توریہ کو صریح کذب کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ اس روایت میں کہا گیا ہے؟ اسی طرح کذب کو خطا و غلطی کے اور خلاف واقع بات کے معنی میں لینے سے بھی کیا عصمت انبیا و شان نبوت پر حرف نہیں آتا؟ ڈاکٹر اکرم ورک صاحب نے بڑا زور لگا کر ان توجیہات کے ذریعے سے حدیث کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[۵] جس میں وہ یہ دعویٰ بھی کر گزرے کہ حضرت ابراہیم کا 'اني سقيم' (میری طبیعت ناساز ہے) کہنا بظاہر خلاف واقعہ تھا۔ ''اس جملے کا عام مفہوم یہی ہے کہ میں جسمانی طور پر بیمار ہوں، لیکن یہ جواب حقیقت کے خلاف تھا، کیونکہ آپ کو اس وقت کوئی تکلیف نہیں تھی'' (ص ۳۰۳)۔

سوال یہ ہے راویان حدیث اور ان کا دفاع کرنے والے اکرم صاحب وغیرہم کو کس ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ اس وقت حضرت ابراہیم کو کوئی تکلیف نہیں تھی اور انھوں نے ضرور خلاف واقعہ بات کہی؟ روایات کو بچانے کا شوق لوگوں کو کس دلدل میں ڈال دیتا ہے، اس کی یہ کلاسیکل مثال ہے! یہ توجیہ جو بعض روایات میں آئی ہے، یہ بھی اصلاً بائیبل کی روایات سے ہی ماخوذ ہے!

۳۔ ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، سورۂ انبیاء حاشیہ ۶۰ ص ۱۶۲، جولائی ۲۰۱۱ء، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی۔

۴۔ دیکھیے: مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد ششم، طبع تاج کمپنی دہلی، ص ۴۸۰۔

۵۔ ڈاکٹر محمد اکرم ورک، متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات ایک تحقیقی مطالعہ، الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ، فروری ۲۰۱۲ء۔

بعض حضرات اس مشکل کو حسنات الابرار سیئات المقربین جیسے صوفیانہ لطائف سے حل کرنا چاہتے ہیں[۶] لیکن یہ توجیہ بھی پاؤں چلنے والی محسوس نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ یہ ساری توجیہات کیوں؟ ان کی ضرورت تو تب پڑے گی ناجب متن حدیث صحیح ثابت ہو جائے، اگر متن ہی موقوف ہو مرفوع نہ ہو (جیسا کہ اِس تحقیق سے ثابت ہو گا) تو پھر اس سارے قیل و قال کی ضرورت ہی کیا ہے جس کو کہا جا سکتا ہے کہ:

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

والد ماجد علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کہتے تھے کہ قرآن کریم کی طرح حدیث کا بھی یہ معجزہ ہے کہ اگر کسی روایت میں سقم ہوتا ہے تو ایسے قرائین موجود ہوتے ہیں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف یا موضوع ہے۔ اس حدیث پر روایت و درایت کے نقطۂ نظر سے ان کی تنقید ہم اہل علم کے لیے پیش کر رہے ہیں جو ان کی تفسیر ''مفتاح القرآن'' اور ان کی کتاب ''بخاری کا مطالعہ (دوم)'' سے ماخوذ ہے۔ ضروری حواشی کا اضافہ راقم نے کر دیا ہے۔ مرتب: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی]

علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی تحریر کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: 'فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ': پس فرماں روائے کائنات کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے۔

حضرت ابراہیم انھیں بتا چکے تھے کہ تمھارے ان معبودوں میں کوئی شکتی نہیں، نہ تمھیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور آپ کا قصد تھا کہ کسی موقع پر ان معبودوں کی بے زوری ان کے پجاریوں کو ماتھے کی آنکھوں سے دکھا دیں۔ اُن کے ایک تہوار نے جس میں سب لوگ رات کو شہر سے باہر جشن مناتے تھے یہ موقع فراہم کر دیا۔ اس رات آپ کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی۔ اس لیے جب گھرانے کے لوگوں نے رسمی طور پر آپ سے بھی چلنے کو کہا تو آپ نے متفکرانہ انداز میں تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، یہ سن کر وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ دراصل جب سے حضرت ابراہیم نے ان کے دین سے بے زاری ظاہر فرمائی تھی اور شرک و بت پرستی کو گم راہی بتایا تھا اور دعوت توحید دی تھی، وہ لوگ آپ سے متنفر ہو گئے تھے۔ گھرانے کا ایک فرد اور پروہت آزر کا بیٹا ہونے کی وجہ سے انھوں نے ہنوز آپ کے خلاف کوئی

۶۔ ملاحظہ ہو: مولانا شبیر احمد عثمانی، ترجمۂ قرآن، ص ۵۹۸ حاشیہ ۸، شائع کردہ سعودی عرب۔

کارروائی نہیں کی تھی، لیکن ان کے اور آپ کے درمیان نفرت کی گہری خلیج حائل ہو چکی تھی۔

اسی لیے جب آپ نے ان سے اپنی طبیعت ناساز ہونے کا ذکر کیا تو کسی نے آپ کے علاج و تیمارداری کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور سب کے سب بے پروایانہ انداز سے منہ موڑ کر پشت پھیر کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے مندر میں جا کر بڑے بت کے سوا تمام بتوں کو توڑ ڈالا، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انبیاء کے پانچویں رکوع (آیت ۵۱ تا ۷۰) میں گزر چکا ہے۔ یہاں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جب ابراہیم سے جشن میں چلنے کو کہا گیا:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ. فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ. فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ. (الصافات ۳۷: ۸۸-۹۰)

”تو اس نے ستاروں میں، یعنی آسمان کی طرف ایک نظر ڈال کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ پس وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے پشت پھیر کر۔“

’فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ‘: وہ جھپٹ کر ان کے بتوں کی طرف گیا (جن کے سامنے چڑھاوے میں آئی ہوئی قسم قسم کی غذائیں اور مٹھائیاں رکھی تھیں) تو ان سے کہا: کیا تم کھاتے نہیں۔ تمھیں کیا ہوا تم بولتے نہیں پس وہ ان پر پل پڑا سیدھے ہاتھ سے مارنے کے لیے۔

پجاریوں کا گروہ جشن سے فارغ ہو کر واپس آ کر چڑھاوے کا مال سمیٹنے اور پوجا کرنے کے لیے مندر میں پہنچا تو بتوں کی توڑ پھوڑ دیکھ کر بہت سٹپٹایا کہ یہ کس اَن نیائی کا کرتوت ہے۔ بس یہ ابراہیم کا ہی کام ہے۔ شہر کے بڑے لوگوں کو طلب کر کے انھوں نے اس کو ان کے سامنے حاضر کیا اور غیظ و غضب میں جھپٹ کر آپ سے پوچھنے لگے کہ کیا یہ کام تو نے کیا ہے؟

’فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ‘: پس متوجہ ہوئے اس کی طرف اس حال میں کہ جھپٹ رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ان میں باہم کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔ بڑے نے ناراض ہو کر چھوٹوں کو سزا دے ڈالی۔ خود ان ہی سے پوچھ لو۔ آپ کا یہ جواب سن کر وہ بہت جز بز ہوئے کہ ہم نے لوگوں کے سامنے اس بے باک جوان کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ اس کی یہ سیدھی سادھی بات اگر ان کے دل میں بیٹھ گئی تو ہمارا اور ہمارے دھرم کا بیڑا غرق ہوا رکھا ہے۔ آخر لوگوں کی اندھی مذہبیت پر بھروسا کرتے ہوئے وہ بولے کہ تو عجیب آدمی ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ آپ نے فرمایا: جب ان میں کوئی شکتی نہیں، پھر ان کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ انھیں تو خود تم انسان ڈھالتے تراشتے ہو، جس مورتی کو تم نے جیسا بنایا ویسی ہی بن گئی۔ پھر یہ مورتیاں تمھیں کیا نفع و نقصان پہنچا سکتی اور تمھاری بگڑی کیا بنا سکتی ہیں۔ اللہ کو ہی پوجو جو تمھارا بھی

خالق ہے اور ان پتھروں اور دھاتوں کا بھی خالق ہے، جن سے تم یہ مورتیاں بناتے ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ. وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ. (الصافات ۳۷: ۹۵-۹۶)

''کہا ابراہیم نے: ہائے کیا تم اسے پوجتے ہو، جسے خود تراشتے ہو، حالاں کہ اللہ نے پیدا کیا ہے تمھیں بھی اور اس کو بھی جسے تم بناتے ہو۔''

اس قطعی حجت کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا بہ جز اس کے کہ سب نے طے کر لیا کہ ایک آتش کدہ تعمیر کر کے اس ادھرمی کو اس میں جھونک دو:

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ. فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ. (الصافات ۳۷: ۹۷-۹۸)

''وہ (باہم) بولے، اس کے لیے ایک آتش کدہ تعمیر کر کے اسے دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔ پس انھوں نے قصد کیا اسے نیچا دکھانے کی تدبیر کا تو ہم نے انھیں ہی نیچا کر دیا۔''

یعنی ان کا خیال تھا کہ اس فیصلہ سے ابراہیم کو ہوش آ جائے گا، منت و سماجت کر کے معافی مانگے گا اور آیندہ ہمارے دھرم کے خلاف کبھی کوئی لفظ نہ کہے گا۔ اس طرح اس نے جو فتنہ اٹھایا ہے خود بخود آسانی سے دب جائے گا، لیکن حضرت ابراہیم کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہ آئی تب آپ کو بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کیا گیا۔ زچ ہو کر اس نے بھی مذہبی کونسل کے فیصلہ کی تائید کر دی اور آپ کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور اس فیصلہ پر عمل کرنے کی تیاری ہونے لگی۔ زبردست آتش کدہ تیار ہوا، تب آپ کو قید خانہ سے نکال کر وہاں لایا گیا۔ اسے دیکھ کر بھی نہ آپ کے چہرے پر خوف و ہراس کی کوئی جھلک آئی، نہ زبان سے کوئی خوشامد یا معافی کا لفظ نکلا۔ آخر آپ کو دہکتے ہوئے آتش کدے میں پھینک دیا، مگر لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب انھوں نے دیکھا کہ آپ ہشاش و بشاش پورے اطمینان سے انگاروں پر ٹہل رہے ہیں۔ نمرود بادشاہ بے اختیار چیخ پڑا کہ ابراہیم نکل کر میرے پاس آ جا۔ تو سچا ہے اور آسمان کا بادشاہ تیرا حمایتی ہے۔ اس طرح مشرکین کو ذلیل ہونا پڑا اور ان میں سے بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئے، مگر جیسا کہ سورۂ ممتحنہ میں ہے: مشرکین اور مومنین میں چپقلش بڑھتی رہی۔ پھر کچھ مدت کے بعد نمرود کو مشرکین آپ سے بدظن کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس نے کچھ لوگوں کو حکم دے دیا کہ جب تمھارا بس چلے ابراہیم کو قتل کر ڈالو۔ علاوہ بریں، آپ کا باپ آزر بڑا جاہل شخص تھا۔ اس نے آپ کو گھر سے نکل جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ ان حالات کی وجہ سے آپ نے وطن سے ہجرت کر جانے کا قصد فرما لیا۔ مومنین نے پوچھا کہ حضرت کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا: کوئی خاص مقام میرے

پیش نظر نہیں ہے۔ میں تو یہ سرزمین اللہ کے لیے چھوڑ رہا ہوں، جہاں جانے کا حکم ہو گا جاؤں گا اور جہاں ٹھیرنے کا ارشاد ہو گا ٹھیروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا رب مجھے مناسب مقام پر لے جائے گا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ. (الصافات ۳۷: ۹۹)

''اور کہا اس نے کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے راہِ راست چلائے گا۔''

چنانچہ آپ مع مومنین وطن سے نکل گئے۔ اس قافلۂ مہاجرین میں آپ کی بیوی حضرت سارہ تھیں جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام تھے جو آپ کے بھتیجے، یعنی حاران بن آزر کے فرزند تھے اور بچپن سے ہی آپ کی تربیت و کفالت میں رہتے چلے آئے تھے۔ عراق سے نکل کر آپ مختلف علاقوں میں تشریف لے گئے۔ معاش کا وسیلہ اس قافلۂ مہاجرین اور خانہ بدوش رہروان حق کے پاس بکریوں کے ریوڑ اور گایوں کے گلے تھے، لیکن کسی جگہ مستقلاً قیام پذیر نہیں ہوئے۔

جہاں پہنچے لوگوں کو توحید و دین حق قبول کر لینے کی دعوت دیتے۔ رفتہ رفتہ مملکت مصر میں داخل ہوئے۔ مصر کا بادشاہ اور اس کے ارکان دولت آپ کی دعوت سے متاثر ہوئے اور آپ پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ مصر نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی جو شاید اس کی بہن تھی اور حسن صورت و جمال سیرت میں یگانہ تھی آپ کی زوجیت میں دے دی، اس کا نام ہاجرہ تھا، ہنوز آپ لاولد تھے۔ سارہ کے بطن سے کسی بچہ کے ہونے کی توقع نہ تھی، کیونکہ ان کی عمر ڈھل چکی تھی اور وہ بانجھ تھیں۔ بائیبل کی تصریح کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر پہنچتے ہیں تو ان کی بیوی سارہ تقریباً ۶۵ سالہ بوڑھی تھیں۔ آپ نے دعا فرمائی کہ الٰہی، مجھے ہاجرہ کے بطن سے کوئی فرزند عطا کر جو تیرے لائق بندوں میں سے ہو۔ یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کو ایک بردبار، تحمل مزاج، نرم خو، صبر شیوہ فرزند کی بشارت دی گئی۔ آپ اہل و عیال اور قافلۂ مہاجرین کے ساتھ مصر سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور بحکم حق وادی کنعان میں فروکش ہو گئے۔ یہیں قیام پذیر ہونے کا حکم ہوا اور یہیں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ ابراہیم نے دعا کی:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ. (الصافات ۳۷: ۱۰۰)

''اے میرے رب، مجھے عطا فرما (کوئی فرزند) لائق بندوں کی جنس میں سے۔''

یہ دعا آپ نے ہاجرہ سے شادی کر لینے کے بعد کی تھی:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ. (الصافات ۳۷: ۱۰۱)

''پس ہم نے اسے ایک بردبار و فرزانہ لڑکے کی بشارت دی۔''

یہ فرزند آپ کو کس قدر عزیز ہو گا، ظاہر ہے۔ مگر جب وہ چند ماہ کا ہوا تو اللہ کا حکم آیا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو یہاں سے دور دراز لے جا کر ''وادی غیر ذی ذرع'' میں چھوڑ آؤ۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور جہاں اب چاہ زمزم ہے وہیں ماں بیٹے دونوں کو یکہ و تنہا چھوڑ آئے۔ اسمٰعیل تو شیر خوار بچہ تھے جسے ہنوز بولنا بھی نہ آیا تھا، مگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی ہمت کی بلندی اور توکل کی پختگی پر قربان جایئے کہ جب حضرت ابراہیم نے انھیں بتایا کہ اللہ کا یہی حکم ہے تو فرمایا: پھر ہمیں کیا پروا، ہمارا رب ہمیں ضائع نہ فرمائے گا۔ پھر وہاں قبیلہ جرھم آبسا، وہ لوگ حضرت ہاجرہ کو اپنی ماں اور مالکہ کی طرح مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو سب آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایمان لے آئے۔ حضرت ابراہیم وقتاً فوقتاً بیوی اور فرزند سے ملنے کے لیے تشریف لایا کرتے، مگر مستقلاً قیام کنعان میں ہی رہتا، حتیٰ کہ حضرت اسمٰعیل تقریباً بارہ سال کے ہو گئے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر انھیں بتایا کہ بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھے قربان کر رہا ہوں۔ عرض کیا: اباجان! حکم کی تعمیل فرمائیں۔ آپ مجھے ان شاء اللہ صابر اور چون وچرا نہ کرنے والا پائیں گے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سیرت جن اوصاف حسنہ سے مرکب تھی، ان میں وصف حلم نمایاں تر تھا اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی سیرت میں وصف علم نمایاں تر تھا، اسی لیے قرآن کریم میں جہاں حضرت اسحٰق کی بشارت کا ذکر ہے تو آپ کو ''غلام علیم'' کہا ہے (الحجر ۱۵: ۵۳۔ الذاریات ۵۱: ۲۸)۔ حضرت اسحٰق کی نسل بھی حضرت اسمٰعیل کی نسل کی بہ نسبت علم میں ممتاز رہی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بنی اسمٰعیل میں پڑھے لکھے لوگوں کی سخت کمی رہی ہے، لیکن بنی اسرائیل ہر دور میں پڑھی لکھی قوم کی حیثیت سے جانے گئے اور اہل علم واہل کتاب سمجھے گئے ہیں۔ لیکن اللہ کے خوف اور اخروی بازپرس کے احساس سے محروم ہونے کی وجہ سے بہت سے یہودیوں نے علم اور قلم کی طاقت سے بڑے مظالم بھی ڈھائے ہیں۔ انبیاے کرام کے صحیفوں میں کتر بیونت، بے ہودہ اضافے، جھوٹے افسانے، انبیاے کرام کی سیرت کو داغ دار بنا دینے والے بہتانات، انھوں نے اپنی کتابوں میں خوب لکھے ہیں (جس کا کچھ کچھ اندازہ علامہ حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی کتاب ''ذبیح کون ہے؟'' سے ہوتا ہے۔ غ)[۷]۔ یہودی مصنفین کے تصنیف کیے ہوئے جو جھوٹے افسانوں میں سے حضرت سارہ وہاجرہ رضی اللہ عنہما کے متعلق افسانہ

۷۔ مولانا حمید الدین فراہی، ذبیح کون ہے؟ ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی، شائع کردہ: دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی۔ خاص طور پر باب دوم کی فصل تیرھویں دلیل یہود کی تحریفات اور ان کی تردید، ص ۱۲۰۔

بھی ہے (حو حدیث و تفسیر کی کتابوں میں حدیث مرفوع کے طور پر بھی نقل ہو گیا ہے (غ)، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''حضرت ابراہیم، جب کہ آپ کی عمر ۷۵ (پچھتر) سال سے بڑھ چکی تھی اور آپ کی بیوی سارہ ۶۵ سال سے متجاوز تھیں، مصر پہنچے۔ مصر کا بادشاہ بڑا ظالم و عیاش تھا۔ باہر سے آنے والوں میں کوئی خوبصورت عورت ہوتی اور اس کے ساتھ اس کا شوہر بھی ہوتا تو وہ شوہر کو قتل کرا دیتا اور عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا۔ اور اگر شوہر کے بجاے بھائی اس کے ساتھ ہوتا تو اسے قتل نہ کیا جاتا بس ایک دو رات عورت محل میں رکھ کر بھائی کو واپس دے دی جاتی۔ حضرت ابراہیم وہاں پہنچے تو اپنی جان کا فکر ہوا۔ سارہ حسن و جمال میں نادرۂ روزگار اور چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھیں۔ حسب دستور بادشاہ کے گماشتے سارہ کو شاہی محل میں لے جانے کے لیے آ گئے۔ حضرت ابراہیم نے سارہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ جب تم بادشاہ کے پاس پہنچو تو مجھے اپنا شوہر نہ بتانا، بھائی بتا دینا کہ میری جان تو بچ جائے۔''

کتاب البیوع بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ ابراہیم نے سارہ سے کہا تھا: 'واللہ ان علی الارض مؤمن غیری وغیرک محدث' میر ٹھی رحمہ اللہ کے مطابق یہ قرآن سے صریح متعارض ہے، کیونکہ جب آپ اپنی قوم سے نکلے ہیں تو آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے لوط بن حاران بھی تھے اور دوسرے مومنین بھی جن کو قرآن پاک مومنین کے لیے اسوہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔[۸] 'قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ الآیۃ' ('والذین معہ' کی تشریح مولانا عثمانی یوں کرتے ہیں، یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیم کے ساتھ ہوتے گئے۔ ترجمہ شبیر احمد عثمانی ص ۲۷۸) سارہ بادشاہ کے پاس خلوت میں لے جائی گئیں۔ اس نے بدقسمتی کے ساتھ ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شل ہو گیا، تب اس نے منت سماجت کی کہ میرے لیے دعا کر، وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے کچھ نہ کہوں گا۔ سارہ نے دعا کی تو ہاتھ ٹھیک ہو گیا، مگر اس نے بقصد شرارت دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو پہلی بار سے بھی بڑھ کر آفت پیش آئی۔ پھر وعدہ کیا اور پھر خلاف ورزی کی، اس لیے اور بھی سخت تر کیفیت سے دوچار ہوا۔ پھر نہایت پختہ وعدہ کیا، دعا کے طفیل میں نجات مل گئی تو حضرت سارہ کو عزت و اکرام کے ساتھ واپس کر دیا اور خدمت کے لیے ایک لونڈی بھی عطا کر دی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ (کتاب البیوع میں امام بخاری نے یہ روایت ذکر کی ہے۔ علامہ میر ٹھی نے اس پر بھی تفصیلی نقد کیا ہے۔)[۹]

۸۔ اس پر نقد کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری کا مطالعہ، جلد دوم، ص ۲۴۲ تا ۲۵۶، فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، ۲۰۰۲ء۔

۹۔ اس پر نقد کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری کا مطالعہ، جلد دوم، ص ۲۴۲ تا ۲۵۶، فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، ۲۰۰۲ء۔

وہ لونڈی کو ساتھ لیے ہوئے واپس حضرت ابراہیم کے پاس پہنچیں اور ماجرا سنایا۔ ابراہیم وہاں سے سارہ اور ان کی خادمہ ہاجرہ کو لے کر روانہ ہوئے۔ کنعان پہنچے تو چونکہ سارہ لاولد تھیں، اس لیے انھوں نے دعا کی کہ ہاجرہ سے ان کو اولاد عطا ہو، ہاجرہ کے بطن سے اسمٰعیل پیدا ہوئے تو اب وہ ہاجرہ سے حسد کرنے اور اس پر ظلم توڑنے لگیں۔ غریب کے ناک کان چھید دیے، ابراہیم سے ملنے پر پابندی لگا دی۔ اس پابندی کا خاطر خواہ اثر نہ نکلا تو ابراہیم کو مجبور کیا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو میری آنکھوں سے دور کر دو۔ ایسی جگہ لے جا کر چھوڑو جہاں نہ کوئی آبادی ہو نہ پانی ہو، بیوی کے حکم سے مجبور ہو کر حضرت ابراہیم دونوں کو لے کر اس سرزمین میں چھوڑ آئے جہاں بعد میں مکہ آباد ہوا۔ (بائیبل میں یہ کہانی مختلف ٹکڑوں میں آئی ہے: ملاحظہ کریں: کتاب پیدائش باب ۱۲ آیات: ۱۱-۲۰ اور پیدائش باب ۲۰ آیات ۲-۱۶، غ)

اس شروع سے آخر تک قطعی جھوٹی کہانی تصنیف کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا تھا کہ یوں تو بنی اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم کی ذریت ہیں، لیکن نسب میں بنی اسرائیل سے کمتر و کہتر ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل سارہ کی نسل سے ہیں جو حضرت ابراہیم کی ہم نسب اور عم زاد تھیں۔ اور بنی اسمٰعیل ہاجرہ کی نسل سے ہیں جو سارہ کی مملوکہ و خادمہ تھیں۔ اس خبیث مقصد کی خاطر ان پڑھے لکھے جاہلوں نے بائیبل اور تلمود میں یہ کہانی گھڑ کر درج کر دی تھی۔ بنی اسمٰعیل کو کچھ علم نہ تھا کہ اسرائیلیوں نے محض اپنے نسب کی برتری ظاہر کرنے کے لیے کیا تاریخی ظلم ڈھا رکھا ہے، کیونکہ عموماً بنی اسمٰعیل ان پڑھ تھے۔ ان میں سے بعض افراد کو لکھت پڑھت سیکھنے کی ضرورت پڑی تو وہ معمولی نشست و خواند سے آگے نہ بڑھ سکے۔ عبرانی و یونانی زبانوں سے تو وہ قطعاً ناآشنا تھے، جب کہ یہود کی تمام مذہبی کتابیں عبرانی اور یونانی میں ہی تھیں۔ ان کی کسی بھی کتاب کا عربی زبان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک کبھی بھی ترجمہ نہیں ہوا، اس لیے اسمٰعیلیوں میں جو اشخاص برائے نام پڑھے لکھے بھی تھے، وہی اسرائیلی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے عاجز تھے۔

حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد رحمت آ گیا اور عامۃ المسلمین دریاے علم میں شناوری کرنے لگے، لیکن صحابۂ کرام کو قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہی یاد کرنے کرانے سے دل چسپی تھی۔ اسرائیلی کتابوں کے مطالعہ کا انھیں کبھی شوق نہ ہوا بجز عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے کہ انھوں نے اسرائیلی کتابوں کا مطالعہ کر کے حاصل مطالعہ ایک کتاب میں ثبت کیا تھا۔ اس کا نام انھوں نے ''الصحیفۃ'' رکھا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی باتیں بھی الگ کتاب میں لکھی تھیں۔ اس کا

نام ''الصحیفۃ الصادقۃ'' رکھا تھا۔

البتہ حضرت ابوہریرہ حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دیگر صحابہ نو مسلم علماے اہل کتاب کی بیان کردہ باتیں سن لیا کرتے اور مسلمانوں سے ان کو نقل بھی کر دیتے اور اعتماد کی وجہ سے بسا اوقات اس شخص کا نام بھی ذکر نہ کرتے جس سے انھوں نے وہ باتیں سنی ہوتیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے تو ان نو مسلم علماے اہل کتاب کی بیان کردہ بعض باتوں پر گرفت بھی کی ہے، مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خاص طور سے کعب احبار[10] سے سنی ہوئی بہت سی باتیں بدون نقد و نکیر اور کعب کا نام لیے بغیر بیان کر دی ہیں،[11] جنھیں نیچے کے بعض راویوں نے غلطی سے حدیث مرفوع کے طور پر بیان کر دیا۔ سننے والوں کو دھوکا لگ گیا کہ یہ باتیں ابوہریرہ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں، لہٰذا قطعاً صحیح ہیں۔ اس طرح اہل کتاب کی متعدد اناپ شناپ باتیں

۱۰۔ ترجمہ کعب بن احبار: حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قریش کی ایک جماعت سے بات کرتے ہوئے سنا، جس میں کعب احبار کا ذکر بھی آیا تو فرمایا: جو لوگ ہمیں اہل کتاب کی روایتیں سناتے ہیں، ان میں تو وہ سب سے سچے تھے، مگر اس کے باوجود ہمیں ان سے جھوٹ کا تجربہ ہوتا رہتا تھا: 'وان کنا مع ذلک لنبلو علیه الکذب'۔ (دیکھیے: تہذیب التہذیب، ص ۳۹۴ الجزء الثامن حرف الکاف الطبعۃ الاولی دار الفکر ۱۹۸۴ء)۔

۱۱۔ کعب احبار کی روایات پر محقق ائمۂ متقدمین کو خود بھی تحفظات تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن تابعین کے اقوال نقل کر کے جن سے حضرت اسحٰق کے ذبیح ہونے کا قول مروی ہے، لکھا ہے: 'وهذه الأقوال كلها مأخوذة عن كعب الأحبار فإنه لما أسلم في الدولة العمرية جعل يحدث عمر رضي الله عنه عن كتبه القديمة فربما استمع له عمر رضي الله عنه فترخص الناس في استماع ما عنده و نقلوا ما عنده عنه غثها و سمينها و ليس لهذه الأمة حاجة إلى حرف واحد مما عنده'، یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ شخص مسلمان ہوا اور اپنی قدیم کتابوں سے ان کو سنانے لگا۔ کبھی کبھی حضرت عمر اس کی باتیں سن لیا کرتے، جس سے لوگوں نے اس کی روایات سننے اور جو کچھ بھی رطب و یابس وہ بتاتا تھا، اس کو سننے اور نقل کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا، حالاں کہ اُس نے جو کچھ بھی نقل و روایت کیا ہے، اِس امت کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے (ص ۳۳، الجزء السابع سورہ الصافات تفسیر القرآن العظیم للامام الحافظ ابن کثیر الدمشقی تحقیق سامی بن محمد سلامہ دار طیبہ للنشر والتوزیع الطبعۃ الثانیہ ۱۹۹۹ء)۔

کتب حدیث و تفسیر میں احادیث نبویہ کے طور پر جگہ پا گئیں۔ ازاں جملہ یہ حدیث ہے کہ حضرت ابراہیم نے عمر میں تین بار جھوٹ بولا تھا۔ ایک بار اس وقت جب بتوں کو توڑنے کے لیے بیماری کا بہانہ کر دیا تھا۔ دوسری بار اس وقت جب یہ کہہ دیا تھا کہ ان بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہے۔ تیسری بار اس وقت جب اپنی بیوی سارہ کو بادشاہ مصر کے ڈر سے اپنی بہن بتا دیا تھا، مگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: 'حدثنا سعيد بن تليد الرُعَيْني أخبرني ابن وهب أخبرني جرير بن حازم عن أيوب عن محمد عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم يكذب إبراهيم إلا ثلاثًا. ح و حدثنا محمد بن محبوب ثنا حماد بن زيد عن أيوب عن محمد عن أبي هريرة قال: لم يكذب إبراهيم إلا ثلاث كذبات الخ' (صحیح البخاری، ص ۵۰۹ طبع ہندی قدیم)۔

(واضح رہے کہ یہ روایت مسلم، ترمذی اور ابوداؤد میں بھی آئی ہے، تاہم اصل سب کی یہی بخاری کی روایت ہے۔ غ)۔ (یعنی حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث محمد بن سیرین نے اور ان سے ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی نے سنی تھی اور ایوب سے دو شخصوں جریر بن حازم و حماد بن زید نے روایت کی۔ بروایت جریر بن حازم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولے، مگر تین''۔ اس طریق سے یہ حدیث مرفوع کے طور پر آئی ہے، جب کہ بروایت حماد بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی ہریرہ کے طریق میں یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ابراہیم علیہ السلام نے نہیں جھوٹ بولے، مگر تین''۔ اس طریق سے یہ حدیث موقوف ہے اور یہی طریق راجح ہے۔ (غ)

اور ائمۂ رجال نے تصریحات کی ہیں کہ جریر بن حازم ضعیف الحفظ تھے۔[۱۲] جریر کی بیان کردہ ان ہی حدیثوں

۱۲۔ ترجمہ جریر بن حازم: جریر بن حازم ثقہ ہیں، مگر اختلاط کا شکار ہو گئے تھے: 'قال أحمد بن سنان عن ابن مهدي جرير بن حازم اختلط وكان له أولاد أصحاب حديث فلما أحسوا ذلك منه حجبوه فلم يسمع أحد منه في حال اختلاطه شيئًا' (احمد بن سنان نے ابن مہدی سے جریر کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، اس لیے ان کے بچے ان کو لوگوں سے ملنے نہ دیتے تھے) (تہذیب التہذیب، ص ۶۱، جلد ثانی، باب الجیم، طبع دار الفکر ۱۹۸۴ء)۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے جریر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: 'ليس به بأس وعن قتاده ضعيف' (کام چلاؤ ہیں، لیکن قتادہ سے روایت کرنے میں ضعیف

پر اعتماد کیا جاتا ہے جو جریر نے اعمش سے سنی تھیں۔ جریر کی اسناد میں ہے کہ ابوہریرہ نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، لیکن حماد بن زید نے جو جریر سے بدرجہا قوی تر اور ثبت و ثقہ محدث تھے۔[۱۳] اس کی اسناد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اسے خود ابوہریرہ کے قول کے طور پر بیان کیا ہے۔ الحاصل جریر نے اسے حدیث مرفوع کے طور پر بیان کیا ہے اور حماد بن زید نے حدیث موقوف اور قول ابوہریرہ کے طور پر۔ پس اسے مرفوع، یعنی حدیث نبوی بتا دینا جریر بن حازم کا وہم ہے۔ یہ مرفوع حدیث نہیں ہے، بلکہ حضرت ابوہریرہ کی بیان کی ہوئی بات ہے جو انھوں نے کعب احبار یا کسی اور شخص سے سن کر نقل کر دی تھی اور اس نے تلبیس یہ کی تھی کہ بائیبل میں حضرت ابراہیم و سارہ کی جو عمر مذکور ہے، اسے ذکر نہیں کیا، ورنہ ابوہریرہ سمجھ لیتے کہ یہ محض جھوٹ ہے۔

بھلا سوچیے تو سہی ۶۵ سال سے متجاوز کوئی بوڑھی عورت خواہ وہ صحت مند ہی ہو اور خواہ وہ جوانی میں حسن کے لحاظ سے یکتاے زمانہ رہی ہو کیا ایسی ہو سکتی ہے کہ اس پر کوئی عیاش بادشاہ فریفتہ ہو کر بدنیتی کے ساتھ اس کا قصد کرے۔ نہ ہی عقل یہ تصور کر سکتی ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام جو شروع سے ہی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں دین کی خاطر ہر طرح کی صعوبتیں جھیلتی رہیں، ان کے دل میں حسد جیسی ناپاک صفت ہو اور حضرت ابراہیم ایسے زن مرید ہوں کہ محض بیوی کے کہنے میں آ کر ایسی زیادتی کر گزریں جو اس کہانی میں

ہیں)۔ 'وقا ل النسائي: ليس به بأس' (نسائی نے بھی ان کو کام چلاؤ ہی قرار دیا ہے (ایضاً)۔ یعنی ائمۂ رجال نے ان کی توثیق بڑے مضبوط انداز میں نہیں، بلکہ ڈھیلے ڈھالے اسلوب میں کی ہے۔

۱۳۔ ترجمہ حماد بن زید: ابن مہدی کہتے ہیں کہ اپنے زمانوں میں چار آدمی لوگوں کے امام رہے ہیں کوفہ میں سفیان ثوری حجاز میں مالک، شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید۔ فطر کہتے ہیں میں مالک کے پاس گیا انھوں نے اہل بصرہ میں سے صرف حماد بن زید کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے حدیث و سنت کا حماد سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا، اور کہتے ہیں کہ بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں۔ یزید بن زریع سے حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کے بارے میں پوچھا گیا، دونوں میں کون زیادہ احفظ ہے تو کہا: حماد بن زید یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری کہتے ہیں کہ حماد بن زید سے احفظ کوئی نہیں دیکھا۔ احمد و ابوزرعہ و ابن عیینہ نے ان کو ثقہ، حجۃ، کثیر الحدیث، اصح حدیثا و اتقن جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے خلاصہ یہ کہ ان کی جلالت قدر پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ دیکھیے: تہذیب التہذیب، ص ۶۱، الجزء الثالث حرف الحاء طبع دار الفکر ۱۹۸۴ء۔

مذکور ہے۔

علامہ میرٹھی نے مزید لکھا ہے: ''بخاری نے جریر بن حازم و حماد بن زید، دونوں کی اسناد ذکر کر کے طالبان حدیث کی یہ بجا رہنمائی فرمائی ہے کہ جریر بن حازم چونکہ بد حفظ اور کثیر الخطا راوی تھا اور حماد بن زید ثبت و ثقہ ہے، جریر سے بدرجہا فائق و افضل ہے، اس لیے حماد کی اسناد ہی صحیح و قابل اعتماد ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں، بلکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہی کہانی ہے، جریر بن حازم نے وہم و غلطی سے اسے مرفوع حدیث قرار دیا ہے، یعنی اس کی اسناد میں 'قال رسول اللہ ﷺ' کہنا جریر بن حازم کی غلطی ہے۔ معمر کی اسناد بھی حماد بن زید کی طرح ہے۔ معمر نے بھی یہ قصہ ابوہریرہ کی کہی ہوئی کہانی کے طور پر نقل کیا ہے (فتح الباری ج ۶)''۔[۱۴]

ہشام بن حسان سے عبدالوہاب بن عطا خفاف (موزہ فروش) نے روایت کی ہے، جو سنن ابی داؤد میں ہے: کہا ہے: 'حدثنا محمد بن المثنى ثنا عبد الوهاب ثنا هشام عن محمد بن سيرين عن أبي هريرة عن النبي ﷺ إن إبراهيم عليه السلام لم يكذب إلا ثلاثًا الخ' (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب في الرجل يقول لامرأته يا أختي)۔ اس کی اسناد میں 'عن النبي ﷺ' عبدالوہاب کی غلط بیانی ہے۔ عبدالوہاب بن عطا ضعیف و غیر ثقہ شخص تھا۔[۱۵]

خلاصہ یہ ہے کہ ثلاثہ کذبات والی حدیث اصلاً مرفوع نہیں، بلکہ موقوف ہے اور یہ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے، جس کا ماخذ اہل کتاب سے سنی ہوئی باتیں ہیں، نہ کہ قول رسول۔ راویوں نے اپنے تصرف سے اس کو حدیث مرفوع بنا دیا ہے۔ (غ)

۱۴۔ علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی: بخاری کا مطالعہ، جلد دوم ص ۳۵۱۔

۱۵۔ عبدالوہاب کو کئی ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن ساجی کہتے ہیں: 'صدوق ليس بالقوي عندهم'، بخاری نے کہا: 'ليس بالقوي عندهم وهو يحتمل' اور نسائی نے بھی 'ليس بالقوي' کہا ہے۔ یہ ساری تعبیرات بتاتی ہے کہ راوی میں ضعف ہے اور وہ بس کام چلاؤ راوی ہے۔ ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب، الجزء السادس، ص ۳۹۹، حرف العین، الطبعۃ الاولیٰ دار الفکر، ۱۹۸۴ء۔